سیرتِ نبوی کے مآخذ پر جدید اردو تحقیقات

پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقی

سیرتِ نبوی کے مصادر و مآخذ کا تاریخی ارتقاء

تالیف و تدوینِ سیرت اور اس کے ارتقاء سے بحث میں عام طور سے جدید اردو سیرت نگاروں کا اتفاق ملتا ہے کہ حضرات عروہ بن زبیرؒ اور امام زہریؒ اور ان کی کتبِ مغازی سے ~~مغازی و سیرت کا~~ عام مذاق پیدا ہوگیا تھا۔ مولانا شبلی نعمانیؒ نے حضرت عروہ بن زبیرؒ کی خدمتِ سیرت کو قریب قریب نظر انداز کر کے امام زہریؒ کے سر اس کی قبولیتِ عام کا سہرا باندھا ہے۔ مولانا عبدالرؤف دانا پوریؒ نے تدوین سیرت کی بحث میں یہ خیال پیش کیا ہے کہ "حضور ﷺ کے سنن کو سب سے پہلے امام ابن شہاب زہریؒ نے جمع کیا۔ یہ روایت بھی ہے کہ مغازی کو بھی سب سے پہلے انہی نے مرتب کیا... امام زہریؒ سے پہلے سیرت اور حدیث کے عالموں میں کچھ زیادہ فرق نہ تھا۔ البتہ بعض علماء صاحب المغازی کے نام سے مشہور تھے... امام زہریؒ اپنے وقت کے چار ائمہ حدیث و سیر: ابن المسیبؒ (مدینہ میں) شعبیؒ (کوفہ میں) حسن بصریؒ (بصرہ میں) اور مکحولؒ (شام میں) کے فیض یافتہ تھے..."۔ مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ نے اس پر زیادہ بحث نہیں کی، بلکہ کہا جا سکتا ہے کہ تدوینِ سیرت اور کتبِ مغازی سے تعرض ہی نہیں کیا۔ البتہ مولانا شبلیؒ نے تمام مشہور صاحبانِ مغازی کا ذکر کیا ہے اور ان کی کتابوں اور خدمات کا مختصر تجزیہ بھی کیا ہے۔ ڈاکٹر محمود احمد غازیؒ اور ان سے قبل ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ نے تدوینِ سیرت اور کتبِ سیرت کا سلسلہ حضرت عروہ بن زبیرؒ اور ان کے بعد امام زہریؒ سے جاری ہونے کا خیال ظاہر کیا ہے۔ ان دونوں کے ہاں کافی تفصیلات بھی ملتی ہیں اور تجزیہ بھی۔[۱]

مولانا شبلی نے ایک نقشہ/ جدول کی شکل میں 'فن سیرت کے ارکان اور معتمد اور ان

کی تصنیفات' کی تفصیل پیش کی ہے:

۱- عروہ بن زبیر (۹۴/۱۳/۷)، ۲- شعبی (م۱۰۹/ ۷۲۷)، ۳- وھب بن منبہ (۱۱۴/۳۲/۷)، ۴- عاصم بن عمر (۱۲۱/ ۳۹/۷)، ۵- زہری (۱۲۴/ ۴۲/۷)، ۶- یعقوب بن عتبہ (۱۲۸/ ۴۶/۷)، مغیرہ بن اخنس ثقفی (؟)، ۸- موسیٰ بن عقبہ ((۱۴۱/ ۵۸/۷)، ۹- ہشام بن عروہ (۱۴۶/۶۳/۷)، ۱۰- ابن اسحاق (۱۵۰/ ۶۷/۷)، ۱۱- معمر بن راشد ازدی (۱۵۲/ ۶۸/۷)، ۱۲- عبدالرحمٰن اوسی (۱۶۲/ ۷۷۹)، ۱۳- محمد بن صالح التمار (۱۶۸- ۸۵/۷)، ۱۴- ابومعشر نجیح مدنی (۱۷۰/ ۸۷/۷)، ۱۵- عبداللہ بن جعفر مخزومی (۱۷۰/ ۸۷/۷)، ۱۶- عبدالملک بن محمد انصاری (۱۷۶/ ۹۲/۷)، ۱۷- علی بن مجاہد رازی (۱۸۰/ ۹۶/۷)، ۱۸- زیاد بن عبداللہ بکائی (۱۸۳/ ۹۹/۷)، ۱۹- سلمہ بن الفضل الابرش (۱۹۱/۸۰۶)، ۲۰- یحییٰ بن سعید اموی (۱۹۴/۸۱۰)، ۲۱- ولید بن مسلم قرشی (۱۹۵- ۸۱۱)، ۲۲- یونس بن بکیر (۱۹۹- ۸۱۵)، ۲۳- واقدی (۲۰۷/۸۲۲)، ۲۴- یعقوب بن ابراہیم (۲۰۸/۸۲۳)، ۲۵- عبدالرزاق بن ہمام (۲۱۱/۸۲۶)، ۲۶- ابن ہشام (۲۱۳/ ۸۲۸)، ۲۷- علی بن محمد مدائنی (۲۲۵/۸۴۰)، ۲۸- عمر بن شعبہ (۲۶۲/ ۸۷۶)، ۲۹- محمد بن عیسیٰ ترمذی (۲۷۹/۸۹۲)، ۳۰- ابراہیم بن اسحاق (۲۸۵/ ۸۹۸)، ۳۱- ابوبکر بن ابی خثیمہ (۲۹۹/ ۹۱۲)، ۳۲- محمد عائذ دمشقی (؟) ۲ے

مولانا شبلی نعمانیؒ نے مابعد کی تصنیفات کا مختصر ذکر کیا ہے، کیونکہ "یہ تصنیفات قدیم تصنیفات اوراحادیث کی کتابوں سے ماخوذ ہیں... جو قدماء کی تصنیفات کے متعلق شرح کے طور پر لکھی گئی ہیں۔ ان کا ذکر اس وجہ سے کیا گیا کہ یہ فی نفسہٖ مستقل تصنیفات ہیں اوران میں جس قدر ذخیرۂ معلومات ہے خود اصل کتابوں میں نہیں"۔ یہ فہرست مختصراً درج ذیل ہے:

۱- امام عبدالرحمٰن سہیلی (م۵۰۱/ ۱۱۰۸)، الروض الانف (روض الانف)، اکابر محدثین میں سے تھے، ماخذ ہے۔

۲- حافظ عبدالمومن دمیاطی (م۷۰۵/ ۱۳۰۶)، سیرتِ دمیاطی: المختصر فی سیرۃ سید البشر- متعدد سیرت نگاروں کا ماخذ ہے۔

۳- علاء الدین علی بن محمد خلاطی (م۷۰۸/ ۱۳۰۸)، سیرت خلاطی

۴- شیخ علی بن محمد گازرونی (م۶۹۴ / ۱۲۹۵)، سیرت گازرونی

۵- یحییٰ بن حمیدہ (م۶۳۰/۱۲۳۳)، سیرت ابن ابی طے

۶- حافظ مغلطائی (؟)، سیرت مغلطائی۔ مشہور کتاب ہے، مصر میں چھپ گئی ہے، علامہ عینی نے اس کی شرح لکھی ہے۔[۳]

۷- حافظ ابوسعید عبدالملک نیشاپوری (م؟) ، شرف المصطفیٰ۔ حافظ ابن حجر الاصابہ میں اس کا حوالہ دیتے ہیں۔ رطب و یابس کی جامع ہے۔

۸- حافظ ابن جوزی (م؟)، شرف المصطفیٰ، (صحیح عنوان نہیں دیا اور نہ سنۂ وفات لکھا ہے)۔

۹- سلیمان بن موسیٰ کلاعی (م۶۳۴/ ۱۲۳۷)، اکتفاء فی مغازی المصطفیٰ والخلفاء الثلاثۃ۔ اکثر کتابوں میں حوالے آتے ہیں۔

۱۰- ابن عبدالبر (؟)، سیرت ابن عبدالبر۔ محدث و امام مشہور ہیں، اکثر کتابوں میں حوالے آتے ہیں۔[۴]

۱۱- ابن سید الناس (م۷۳۲/۱۳۳۲)، عیون الاثر۔ نہایت متین اور جامع ہے، معتبر کتابوں کو ماخذ قرار دیا ہے۔[۵]

۱۲- ابراہیم بن محمد (؟) نور النبر اس فی سیرۃ ابن سید الناس۔ عیون الاثر کی شرح، محققانہ اور خزینہ ہے۔

۱۳- حافظ زین الدین عراقی (؟)، سیرتِ منظوم۔ اس میں رطب و یابس سب کچھ ہے۔ دیباچہ میں خود لکھا ہے۔

۱۴- امام قسطلانی (؟)، مواہب لدنیہ۔ مشہور کتاب اور متاخرین کا ماخذ ہے۔ ہزاروں موضوع اور غلط روایات اس میں پائی جاتی ہیں۔

۱۵- امام زرقانی (؟)، زرقانی علی المواہب۔ ''مواہب لدنیہ کی شرح ہے، اور حقیقت یہ ہے کہ سہیلی کے بعد کوئی کتاب اس جامعیت اور تحقیق سے نہیں لکھی گئی ...'' (یہ بھی رطب و یابس کا مجموعہ ہے)

۱۶- امام حلبی (؟)، سیرتِ حلبیہ۔ مشہور اور متداول ہے۔

دوسرے اردو سیرت نگاروں میں مولانا دانا پوریؒ اور مولانا کاندھلویؒ وغیرہ نے قدماء و متاخرین کی تصانیفِ سیرت کی ایسی جدولیں دی ہیں نہ ان پر تبصرہ و نقد کیا ہے۔ انھوں نے چند صاحبانِ مغازی کا ذکر کرکے بنیادی ماخذ پر توجہ مرکوز کی ہے۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ نے پہلے مستشرق وستنفلڈ (Wustenfeld) کی فہرست مؤلفین سیرت نقل کی ہے جو اولین دور کے تھے، پھر اس پر اپنا اضافہ کیا ہے جن میں ابان بن عثمانؒ، عاصم بن عمر بن قتادہؒ، شرحبیل بن سعدؒ، ابوالاسود یتیم عروہؒ، سلیمان بن طرخان تیمیؒ، ولید بن کثیر مخزومیؒ، یزید بن ابی حبیبؒ (مصری استاذِ ابن اسحاق)، معمر بن راشدؒ شامل ہیں۔ موصوف نے ان میں سے صرف یزید بن ابی حبیب مصری کے بارے میں مختصر تذکرہ کیا ہے اور ان کی خدمتِ سیرت کا کچھ نمونہ دیا ہے۔ باقی مؤلفینِ سیرت کا صرف ذکر خیر ہی ہے، ان کی خدماتِ سیرت کا کوئی ذکر نہیں ہے اور بسا اوقات کتابوں کے عناوین بھی نہیں ہیں۔[۶]

ہمارے معاصر محقق و عالم ڈاکٹر محمود احمد غازیؒ نے مناہجِ سیرت کے ضمن میں چند قدماء کی کتابوں کا ذکر کیا ہے۔ محدثانہ اسلوب کے بیان میں طریقۂ محدثین کے علاوہ صرف مستند کتبِ حدیث کا عمومی حوالہ دیا ہے اور شیخین کے نامی گرامی کا ذکر کیا ہے۔ مؤرخانہ اسلوب میں حضرت عروہ بن زبیرؒ کے بعد مشہور سیرت نگار ابن اسحاق، ابن ہشام اور واقدی کا عمومی ذکر ہے۔ مؤلفانہ اسلوب میں کسی کتاب و مصنف کا ذکر نہیں، فقیہانہ اسلوب میں ساری بحث حج کی اقسام اور حجۃ الوداع پر کی ہے۔ متکلمانہ اسلوب میں اس کی تشریح ہے، مگر کتاب و مؤلف کا ذکر نہیں۔ اسی طرح ادیبانہ اسلوب میں نظم و نثر کی عام کتابوں کا حوالہ ہے۔ یہی معاملہ مناظرانہ اسلوب کا ہے کہ اس میں طریقۂ کار اور مناظرانہ عام تحریروں کا حوالہ ہے اور کسی قدر ان میں تاریخی پس منظر بھی ہے۔[۷]

بعد میں ڈاکٹر صاحب موصوف نے متعدد کتبِ سیرت کا ذکر اور ان پر تبصرہ کیا ہے۔ مگر یہ انتخاب تاریخی ارتقاء کا نہیں ہے۔ جیسے: ۱- مبارکپوری کی الرحیق المختوم، ۲- موسیٰ بن عقبہ، ۳- امام بیہقی، ۴- ابن حجر عسقلانی اور ان کی شرح بخاری، ۵- امام ترمذی کی شمائل نبوی،

۶-امام بقی بن مخلد، ۷- امام قرطبی کی تفسیر، ۸- حافظ ابن عبدالبر کی شرح موطا اور سیرت و استیعاب، ۹- امام ابوالولید الباجی کی شرح موطا، ۱۰-ابن عبدالبر کی کتاب الدرر کا الگ ذکر، ۱۱-ابن سید الناس کی عیون الاثر، ۱۲-ابن کثیر کی سیرۃ النبی، ۱۳- ابن تیمیہ کی آراء وتنقیدات البدایۃ والنہایۃ میں، ۱۴- شیخ سعید حوی مصری کی الاساس فی السنۃ، ۱۵- شیخ محمد جعفر کتانی کا الرسالۃ المستطرفۃ، ۱۶-شبلی کی سیرۃ النبی، ۱۷- محمد ابوشہبہ کی کتاب السیرۃ الخ، ۱۸- تاریخ طبری، ۱۹- ذہبی کی تاریخ الاسلام، ۲۰- مسعودی کی مروج الذہب، ۲۱- یعقوبی کی تاریخ، ۲۲-طبقات ابن سعد وابن اثیر، ۲۳-ابن عساکر کی تاریخ مدینۃ دمشق، ۲۴- خطیب بغدادی کی تاریخ بغداد، ۲۵-قسطلانی کی المواہب اللدنیۃ، ۲۶- سیرت شامیہ، ۲۷- شیخ علی بن محمد خزاعی کی تخریج الدلالات السمعیۃ علی ما کان فی عہد رسول اللہ ﷺ من الحرف الخ، ۲۸- شیخ عبدالحئ الکتانی کی التراتیب الاداریۃ فی نظام الحکومۃ الاسلامیۃ وغیرہ۔

ڈاکٹر غازیؒ نے مذکورہ بالا کتبِ سیرت میں سے بعض پر عمدہ تبصرے کیے ہیں اور ان کی قدرو قیمت بھی جانچی ہے۔ان میں سے اہم مراجعِ سیرت پر ان کے بعض تبصروں کے کچھ حصے ذیل میں پیش کیے جاتے ہیں جو اس عنوان کے تحت آتے ہیں:

- حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کی فتح الباری شرح بخاری میں جا بجا سیرت کے مختلف مباحث پر گفتگو کی گئی ہے، جس کو ایک جامع نے تین جلدوں میں شائع کردیا ہے۔ حافظِ موصوف نے تمام باتیں یا روایات اصول روایت ودرایت کے مطابق ہی کہی ہیں۔انھوں نے محدثانہ انداز سے سیرت کی تحقیق کا حق ادا کردیا ہے اور حدیث کے نقطۂ نظر سے یہ حق ادا کیا ہے، جو مستند محدثانہ اسلوب ہے۔[۸]

- شمائلِ ترمذی اپنے موضوع پر قدیم ترین اور مستند ترین کتاب ہے۔شمائل نبوی اس کا موضوع ہے اور وہ جامع وکامل ہے۔[۹]

- حافظ ابن عبدالبر تفسیر، حدیث، سیرت اور تذکرہ کے ماہرین اور عظیم ترین محدثین وعلماء میں سے تھے۔ان کی کتابِ سیرت نے حدیث کے نقطۂ نظر سے روایاتِ سیرت کو دورِ تدوین میں جمع کیا۔ وہ مستند ترین روایات پر مبنی ہے۔ان کی تذکرۂ صحابہ کی کتاب

الاستیعاب بھی معتبر ہے۔انھوں نے اپنی کتابِ سیرت وتذکرہ میں موسیٰ بن عقبہ، ابن اسحاق، عروہ بن زبیروغیرہ جیسے صاحبانِ مغازی وسیر کا کام جمع کردیا ہے۔

- ابن سیدالناس کی عیون الاثرایک طرح سے ابن عبدالبر کی کتاب کی تکمیلی جلد ہے کہ انھوں نے مغازی، شمائل اور سیرت کو جمع کردیا ہے۔ان کا دوسرا اہم کام یہ ہے کہ ابن اسحاق اور واقدی کے بیانات کا گہرائی سے جائزہ لیا اوران پرمحاکمہ کرکےان کومستند قرار دیا۔

- ابن کثیر کی کتابِ سیرت دورِ متوسط میں محدثانہ نظر سے لکھی جانے والی آخری کتاب ہے۔اس میں انھوں نے غیرمستند کومستند سے الگ کیا اوراسرائیلیات کی تنقیح کی۔ان کی جامع کتابِ تاریخ- البدایۃ والنہایۃ-استیعاب واستقصاء کے دور میں لکھی گئی اور بے مثال ہے۔

- مورخ ومفسر اورمحدث وفقیہ طبری کی تاریخ میں سیرت کا حصہ بھی ہے،جس میں قدیم مصادر و مآخذ کا بڑا حصہ انھوں نے سموکرمحفوظ کردیا ہے۔وہ مورخین ومحدثین دونوں کےاسلوب کے جامع تھے۔روایات کی سند واقعہ بیان کرتے ہیں اورشواہد پیش کرتے ہیں۔مستند کتاب ہے۔

- امام ذہبی کی کتاب مستند ہے، جب کہ مسعودی ویعقوبی میں صحیح وغلط مواد بھی ہے۔ طبقات ابن سعد اپنے فن کی اولین کتاب ہے۔مستند، غیرمعمولی،قیمتی اوردلچسپ خزانہ ہے۔وہ محدثین سے زیادہ مورخین کے طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں۔تاریخ خطیب وابن عساکر بھی عمدہ ہیں۔

- قسطلانی کی مواہب لدنیہ اورزرقانی کی شرح المواہب جامع قاموس کتابیں ہیں اورضخامت کی وجہ سے بعض کم زور روایات بھی ان میں پائی جاتی ہیں۔

سیرتِ نبوی کے اصل مراجع

اردو سیرت نگاروں نے اپنے مقدمات اور دیباچوں میں تمام اہم کتابوں کو دو چار ادوار میں تقسیم کیا ہے۔شبلی نے قدماءاور مابعد کی تصانیف کی دوقسمیں کی ہیں۔ڈاکٹر غازی نے دورِاول، دورِمتوسط اوردورجدید وجامعیت کی تین تقسیمیں کی ہیں۔ان میں سے بعض کی ذیلی تقسیمیں کی جاسکتی ہیں اورکی بھی گئی ہیں، جیسے موخرالذکر نے مختلف مناہج و اسالیب کے لحاظ سے کی ہیں۔ان میں تمام کتابوں پر نہ سہی، بیش تر مصادرِسیرت پرعام جائزے ملتے ہیں۔ان

کو ایک طرح سے سرسری و طائرانہ کہا جاسکتا ہے۔ ان تبصروں پر نقد بھی کیا جاسکتا ہے اور ان سے اختلاف بھی کیا جاسکتا ہے کہ ان میں بعض شدید قسم کے تسامحات ہیں، جو عمومی انداز کے سبب آئے ہیں۔ اس کے بعد اصل اور بنیادی قسم کے مراجع پر بحث کی ہے، جو مفصل اور تحقیقی بھی ہے۔ بعض دوسروں نے بھی ان مراجع پر نظر ڈالی ہے۔

رجحان ساز و عہد آفریں شبلی نعمانیؒ نے سیرت کی اجمالی اور سادہ تاریخ کے بعد قطعیت کے ساتھ صراحت کی ہے کہ ''سیرت پر اگرچہ سیکڑوں تصنیفیں موجود ہیں، لیکن سب کا سلسلہ جاکر صرف تین چار کتابوں پر منتہی ہوتا ہے: سیرتِ ابن اسحاق، واقدی، ابن سعد، طبری۔ ان کے علاوہ جو کتابیں ہیں وہ ان سے متاخر ہیں اور ان میں جو واقعات مذکور ہیں، زیادہ تر ان ہی کتابوں سے لیے گئے ہیں ...''۔

- ''ان میں سے واقدی تو بالکل نظر انداز کردینے کے قابل ہے۔ محدثین بالاتفاق لکھتے ہیں کہ وہ خود اپنے جی سے روایتیں گھڑتا ہے۔ اور حقیقت میں واقدی کی تصنیف خود اس بات کی شہادت ہے۔ ایک ایک جزئی واقعہ کے متعلق جس قسم کی گوناگوں اور دلچسپ تفصیلیں وہ بیان کرتا ہے، آج کوئی بڑا سے بڑا واقعہ نگار چشم دید واقعات اس طرح قلم بند نہیں کرسکتا۔'' ۱۰

- ''واقدی کے سوا باقی اور تینوں مصنفین اعتبار کے قابل ہیں''

- ''ابن اسحاق کی نسبت اگرچہ امام مالکؒ اور بعض محدثین نے جرح کی ہے، تاہم ان کا یہ رتبہ ہے کہ امام بخاریؒ اپنے رسالہ جزء القراءۃ میں ان کی سند سے روایتیں نقل کرتے ہیں اور ان کو صحیح سمجھتے ہیں۔''

- ''ابن سعد اور طبری میں کسی کو کلام نہیں، لیکن افسوس ہے کہ ان لوگوں کا مستند ہونا ان کی تصنیفات کے مستند ہونے پر چنداں اثر نہیں ڈالتا۔ یہ لوگ خود شریکِ واقعہ نہیں، اس لیے جو کچھ بیان کرتے ہیں راویوں کے ذریعہ بیان کرتے ہیں، لیکن ان کے بہت سے رواۃ ضعیف الروایۃ اور غیر مستند ہیں۔''

- ''اس کے علاوہ ابن اسحاق کی اصل کتاب (ہندوستان میں) موجود نہیں۔ ابن ہشام نے ابن اسحاق کی کتاب کو ترتیب و تہذیب کے بعد جس صورت میں بدل دیا وہی آج

موجود ہے۔ لیکن ابن ہشام نے ابن اسحاق کی کتاب کو زیاد بکائی کے واسطہ سے روایت کیا ہے۔ بکائی اگرچہ رتبہ کے شخص ہیں، تاہم محدثین کے اعلیٰ معیار سے فروتر ہیں۔ ابن مدینی (امام بخاری کے استاد) کہتے ہیں کہ وہ ضعیف ہے ...ابوحاتم کہتے ہیں کہ وہ استناد کے قابل نہیں، نسائی کہتے ہیں: وہ ضعیف ہے۔''

- ''ابن سعد کی نصف سے زیادہ روایتیں واقدی کے ذریعہ سے ہیں۔ اس لیے ان روایتوں کا وہی رتبہ ہے جو خود واقدی کا رتبہ ہے۔ باقی رواۃ میں بعض ثقہ ہیں اور بعض غیر ثقہ۔''

- ''طبری کے بڑے بڑے شیوخِ روایت مثلاً سلمۃ ابرش، ابن سلمہ وغیرہ ضعیف الروایۃ ہیں۔''

- ''اس بنا پر مجموعی حیثیت سے سیرۃ کا ذخیرہ کتبِ حدیث کا ہم پلہ نہیں، البتہ ان میں سے تحقیق وتنقید کے معیار پر جو اتر جائے وہ حجت اور استناد کے قابل ہے۔''

- مولانا شبلی نے اس کے بعد سیرت کی کتابوں کی کم مایگی کے اسباب سے بحث کی ہے جو نادر و نایاب ہے:

''۱- تحقیق وتنقید کی ضرورت احادیثِ احکام کے ساتھ مخصوص کردی گئی اور روایاتِ سیرت وفضائل میں احتیاط نہیں کی گئی۔

۲- جس قدر تحقیق وتنقید کا درجہ بڑھتا جاتا ہے مبالغہ آمیز روایتیں گھٹتی جاتی ہیں۔ سیرت کی بیش تر کتابوں میں ایسی کم زور روایتیں درج ہوگئیں۔

۳- محدثین کے اصولِ روایت کو اکثر سیرت نگاروں نے نظر انداز کردیا: کہ سلسلۂ روایت میں انقطاع نہ ہو، صحابہ سے میلاد کی روایات مروی نہیں، مغازی کا بڑا حصہ امام زہریؒ سے منقول ہے، لیکن اکثر روایاتِ ابن ہشام وابن سعد منقطع ہیں۔ نام ور مصنفین نے مستند احادیث کی کتابوں سے کام نہیں لیا، جن سے عقدے کھل جاتے، مصنفینِ سیرت میں سے بعض جیسے دمیاطی نے محسوس کیا کہ سیرت کی کتابوں میں صحیح حدیثوں کے خلاف بہت سی روایتیں درج ہوگئیں، لیکن ان کے عام واشاعت پذیر ہونے کی وجہ سے تدارک نہ کیا جاسکا۔

۴- متقدمین کی تمام روایات کو متاخرین نے مستند سمجھ لیا، حالانکہ وہ مستند نہ تھیں۔

صحابہ و رواۃ کے اختلاف مراتب کا فرق بھی نہیں ملحوظ کیا گیا۔

۵- واقعہ کی نوعیت کے لحاظ سے شہادت اور روایت ہونی چاہیے۔ روایت میں واقعہ اور قیاسِ راوی کا فرق نہیں سمجھا گیا، وغیرہ۔''[۱۱]

مولانا دانا پوریؒ نے امام السیر والاخبار محمد بن اسحاق بن یسار اور موسیٰ بن عقبہ کی روایات اور تصنیفات کو فنِ سیرت کو مستقل فن بنانے کا آغاز قرار دیا ہے کہ ''مغازیٔ موسیٰ بن عقبہ اور مغازیٔ ابن اسحاق سیرت کی پہلی دو تصنیفات ہیں۔ اس فن میں پیچھے جتنی کتابیں لکھی گئی سب کی بنیاد ان دو کتابوں پر ہے۔ دونوں بڑے مرتبہ کے محدث تھے۔ موسیٰ بن عقبہ پر تو کسی کو اعتراض نہیں، مگر ابن اسحاق پر امام مالک نے جرح کی ہے۔ محدثین کی بڑی جماعت اس جرح کو قبول نہیں کرتی اور شاید اسی جرح کی وجہ سے محدثین نے یہ قاعدہ بنایا کہ معاصر کی جرح معاصر کے حق میں مقبول نہ ہوگی، گو جرح کرنے والا کسی مرتبہ کا ہو ...مگر ان کی جرح کے باوجود تمام اصحابِ سنن نے محمد بن اسحاق کی روایت لی۔ امام بخاری نے بھی تعلیقات میں ان کا ذکر کیا ہے ...اور جزء القرأۃ میں ان کی روایت کو صحیح کہا ہے۔ یحییٰ بن سعید، سفیان ثوری، نخعی، ابن عیینہ جیسے محدثین نے ان سے روایت لی ہے۔ محمد بن اسحاق پر دو جرح ہے: اول یہ کہ وہ تدلیس کرتے ہیں، دوم اہلِ کتاب سے روایت لیتے ہیں...''۔

''- واقدی نے مغازی اور سیرت پر روایات کا انبار لگا دیا اور واقعات کو اس تفصیل و تسلسل سے بیان کیا کہ خود جو شخص ان واقعات کے وقت موجود تھا وہ بھی جزئیات کو اس تفصیل سے یاد نہیں رکھ سکتا۔ واقدی کی ان تفصیلات کی وجہ سے محدثین متفق ہو گئے کہ واقدی اور ان کی روایتیں اعتبار کے قابل نہیں ہیں اور واقدی باتفاقِ محدثین متروک ہیں۔ ... واقدی کی روایات سیرت و مغازی اور رجال کی کتابوں میں موجود ہیں۔ ان کی واقفیت اور تبحر علمی سے انکار نہیں کیا جا سکتا، مگر اس میں شک نہیں کہ ان کے تفصیلی بیانات سب مشتبہ ہیں...''

''- ان کے شاگرد محمد بن سعد مقبول اور بڑے پایہ کے شخص ہیں۔ ان کی کتاب طبقات ابن سعد بہت مشہور و مقبول ہے۔ ...طبقات کی تمام روایات قابلِ قبول نہیں اور یورپ کے واسطہ سے ملنے کے سبب وہ اور بھی مشتبہ ہے۔''

''- موسیٰ بن عقبہ کی مغازی عرصہ ہوا مفقود ہوگئی، مگر متاخرین نے ان کی روایات نقل کی ہیں۔''

- مغازی ابن اسحاق کا اصل نسخہ مفقود ہے، مگر ابن ہشام نے نئے طریقہ سے مغازی ابن اسحاق کو درست کیا...

- بہرکیف سیرۃ کی یہ تین کتابیں امہات کتب ہیں''۔[۱۲]

تین ائمہ سیرت: موسیٰ بن عقبہ، محمد بن اسحاق اور واقدی پر مولانا کاندھلویؒ نے مختصر تبصرے کیے ہیں:

''۱- موسیٰ بن عقبہ کی مختصر سوانح کے بعد ان کی کتاب المغازی کو امام مالک کے بقول اصح المغازی قرار دیا ہے، لیکن اب اصل کتاب ناپید ہے، البتہ اس کی روایات متاخرین کے ہاں ملتی ہیں۔

۲- ابن اسحاق سیرت و مغازی کے امام ہیں۔ جمہور علماء نے ان کی توثیق کی ہے، مگر امام مالک نے ان پر جرح کی ہے۔ حافظ ذہبی نے ان کو صدوق و مرضی بتایا ہے، مگر ان کی حدیث کو درجۂ صحت سے نازل بتایا اور امام احمد ان کو حسن الحدیث فرماتے ہیں۔ متعدد دوسرے محدثین کی جرح و تعدیل نقل کر کے امام بخاری نے ان کی کوئی موصولہ روایت نہیں لی، البتہ تعلیقاً لی ہے۔ اصحابِ سنن نے ان کی روایت لی ہے اور امام مسلم نے مقروناً بالغیر۔

- ابن اسحاق کا اصل نسخہ مفقود ہے اور ابن ہشام کی تہذیب و ترتیب کے ساتھ موجود ہے۔ ابن اسحاق پر دو جرح کی گئی ہیں: ایک تدلیس کرتے ہیں، دوم یہود وغیرہ سے روایات لیتے ہیں۔ دوسری وجہ موجبِ جرح نہیں ...

- واقدی سیرت اور مغازی کے امام اور جلیل القدر عالم تھے... واقدی کے بارے میں محدثین کے الفاظ مختلف ہیں: امام شافعیؒ، امام احمدؒ، امام بخاریؒ، ابوحاتمؒ، علی مدینی اور نسائی وغیرہ نے کذاب، متروک، واضع الحدیث وغیرہ قرار دیا، جب کہ یحییٰ بن معین، دارقطنی وغیرہ نے ان کو ضعیف کہا ہے، کذاب نہیں۔ علماء کی ایک جماعت نے ان کی توثیق کی ہے اور ثقہ بتلایا ہے۔ ان میں زید بن ہارون، ابوعبیدہ، ابراہیم حزلی، دراوردی، ابن سیدالناس نے ان کو ثقہ کہا

ہے۔مولانا موصوف نے حافظ ابن حجر وغیرہ کی رائے بھی نقل کی ہے اور حافظ مغلطائی کی توثیق بھی، جس پر حافظ ابن حجر کا نقد بھی ہے۔اس پر بحث کر کے مولانا موصوف واقدی کی توثیق کی طرف مائل ہیں اور حافظ ذہبی پر نقد کرتے ہیں، جو ان کی جرح پر محدثین کا اجماع نقل کرتے ہیں۔امام ابن تیمیہ کا قول بھی لکھا ہے کہ واقدی سب سے زیادہ مغازی کے جاننے والے ہیں اور امام احمد، امام شافعی اور دیگر اہل علم واقدی کی کتابوں سے استفادہ کرتے ہیں۔ان میں فتح الباری، زرقانی کی شرح المواہب اور علامہ شبلی کا خاص ذکر ہے۔''[۱۳۱]

ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے اپنے محاکمۂ ابن اسحاق میں اس عظیم سیرت نگار پر توجہ مرکوز رکھی ہے۔ان کے سیرتی مباحث کے اہم ترین نکات حسب ذیل ہیں:

۱- ابن اسحاقؒ طبقۂ موالی میں سے تھے، مگر عرب تھے اور انجیل کے جید عالم تھے۔ یہ علم اپنے دور کے علماء سے سیکھا تھا جس طرح انھوں نے علوم اسلامی -تفسیر، حدیث و فقہ خاص کر سیرت و مغازی- کو حاصل کیا تھا۔ وہ امیر المومنین فی الحدیث تھے۔امام بخاری، امام مسلم اور چاروں اصحابِ سنن نے ان سے روایت کی ہے۔ بقول امام بخاری ان کے پاس ایک ہزار احادیث ایسی تھیں جو کسی دوسرے کے پاس نہ تھیں۔احکام سے متعلق تقریباً ہزار احادیث تھیں اور مغازی کی احادیث اس کے سوا تھیں۔ وہ سب معتبر تھیں۔

۲- امام مالکؒ اور امام ہشامؒ بن عروہ کی منافرت معاصرت پر مبنی تھی اور بعد میں امام مالکؒ نے اس سے رجوع کر لیا تھا۔اسی طرح امام ابوحنیفہؒ اور حضرت شرحبیلؒ کے درمیان منافرت کے واقعات محض روایات بلکہ افسانے ہیں۔

۳- امام ابن اسحاق پر محدثین کا تدلیس کا الزام محض حدیث و تاریخ کے اسلوب کے فرق کی بنا پر ہے۔حدیث میں مربوط قصہ نہیں ہوتا، جب کہ تاریخ و سیرت میں ہوتا ہے، لہٰذا امامِ سیرت ہر خبر اور ہر حدیث کی الگ الگ سند نہیں بیان کرتے تھے، بلکہ ایک واقعہ کی تمام روایات و احادیث کو ان کی مجموعی اسانید سے بیان کرتے تھے۔یہ الزام نہیں، طریقۂ کار کا فرق ہے اور اس سے بعض محدثین بھی مبرا نہیں۔

۴- ان کی کتابِ سیرت کا اصل نام کتاب المبتدا والمبعث والمغازی ہے، جس

کے دوسرے عناوین بھی نقل کیے گئے ہیں۔

۵- ابن اسحاقؒ نے اپنی کتابِ سیرت عراق جانے سے قبل مکمل کرلی تھی اور اس کے مدنی راوی تھے ابراہیم بن سعد (۱۸۴/ ۸۰۰)۔

۶- کوفہ میں پانچ رواۃ سے کم از کم اس کی روایات ملتی ہیں، جن میں زیاد بن عبداللہ بکائی (۱۸۳/ ۷۹۹) اور یونس بن بکیر (۱۹۹/ ۸۱۵) مشہورترین ہیں۔ باقی تین یہ تھے: عبداللہ بن ادریس اودی (۱۹۲/ ۸۰۸)، عبدہ بن سلیمان (۱۸۷/ ۸۰۳) اور عبداللہ بن نمیر (۱۹۹/ ۸۱۵) بغداد کے واحد راوی یحییٰ بن سعید اموی (۱۹۴/ ۸۰۹) تھے، جب کہ بصرہ کے تین رواۃ میں سلمہ بن فضل ابرش (۱۹۱/ ۸۰۷) مشہور ترین ہیں۔ جریر بن حازم (۱۷۰/ ۷۸۷) اور کریم بن ابی عیسیٰ (؟) نسبتاً غیر معروف ہیں۔ رے میں پانچ تلامذہ نے اپنی روایاتِ ابن اسحاق مرتب کی تھیں: علی بن مجاہد (۱۸۹/ ۸۰۵)، ابراہیم بن مختار، سعید بن بزیع، عثمان بن ساج اور محمد بن سلمہ حرانی (۱۹۱/ ۸۰۷)۔ ابن ہشام کی کتاب السیرۃ النبویۃ زیاد بن عبداللہ بکائی کی روایت پر مبنی ہے۔ مکتبہ قروین کے دو قطعے یونس بن بکیر سے مروی ہیں جو سہیلی کی الروض الانف کے بنیادی ماخذ ہیں اور دمشقی قطعہ محمد بن سلمہ حرانی کا روایت کردہ ہے۔

۷- ابن ہشام کی روایت بکائی سے مقابلہ کرنے سے تفاصیل یا معلومات کی تقدیم وتاخیر ملتی ہے، مواد قریباً یکساں ہے۔[۱۴]

ڈاکٹر غازی نے اپنے محاضراتِ سیرت کے پانچویں خطبے میں 'چند نام ور سیرت نگار اور ان کے امتیازی خصائص' کے زیر عنوان بحث کو ابن اسحاق، واقدی، ابن سعد اور ابن ہشام تک محدود رکھا ہے اور وہ ان کو ایک طرح سے بنیادی مراجع سمجھتے ہیں۔

۱- بحث کا آغاز انھوں نے امام واقدی سے کیا ہے، جن کو سیرت کا محقق، فن کو چار چاند لگانے والا اور حیرت انگیز تفاصیل دینے والا قرار دیا ہے۔ ان پر محدثین کے ایک بڑے طبقہ کے اعتراضات کا جائزہ لے کر ان کی فنی ثقاہت اور سیرتی معتبریت ثابت کی ہے۔ ان سے امام خطیب بغدادیؒ کے علاوہ امام شافعیؒ نے اپنی قاموسی فقہ کتاب الام میں سیر الواقدی کے عنوان سے مواد لیا ہے۔ وہ تفسیر، حدیث وفقہ کے بھی عالم تھے اور ان کے مصنف بھی۔

- مغازی و سیرت پر ان کی کتاب المغازی مطبوعہ ہے اور اس فن کے علماء کی نظر میں وہ 'عالمِ دہر' و 'ماہرِ کل' تھے۔ انھوں نے اپنے زمانے کے تمام علماء و محدثین اور سیرت و مغازی کے ماہرین سے علم حاصل کیا تھا اور حریص محقق اور عظیم عالم تھے۔ ان کی کتاب المغازی مکمل ہے یا ناقص، کہنا مشکل ہے۔ اس میں مغازی کے علاوہ دوسرے موضوعاتِ سیرت پر بھی کافی قیمتی مواد ہے۔

- ان کا طریقۂ کار مورخین کا ہے اور ''واقدی کی جو خوبی ہے وہ محدثین کے نزدیک قابلِ اعتراض بات ہے''۔ واقدی نے غزوات کی جو تفصیلات دی ہیں وہ واقعات کے اعتبار سے دوسری کتبِ سیرت میں بھی ہیں۔ وہ رنگ سازی کرتے ہیں کہ جغرافیائی معلومات دیتے ہیں اور تاریخوں کا اہتمام کرتے ہیں۔ ان کی بعض تاریخیں ابن اسحاق وغیرہ کی تاریخوں سے مختلف ہیں۔ وہ فقہی معلومات بھی دیتے ہیں جو اہم ہیں۔ عام معاشرتی زندگی اور تمدنی اور ثقافتی امور کو بھی پیش کرتے ہیں۔ ان کی منفرد جزئیات و تفصیلات کو سیرت نگاروں نے قبول کیا ہے اور بیش تر کتبِ حدیث خاص کر مسندِ احمد بن حنبل سے واقدی کی روایات کی عام تائید ہو جاتی ہے۔ ان پر محدثین کے الزامات صحیح نہیں ہیں۔ دراصل ان کے تحفظات ہیں جو تمام اسانید کو ایک متن کے لیے جمع کرنے کا تاریخی طریقہ اختیار کرنے کے سبب پیدا ہوئے ہیں۔

۲- واقدی کے مشہور ترین شاگرد ابن سعد ہیں، جن کی طبقات ابن سعد سیرت و تذکرۂ صحابہ و رواۃ کی قاموس ہے۔ وہ اپنے استاد سے زیادہ مستند ہیں۔ تحقیق کے معیار اور اعلیٰ سطح کے اعتبار سے ان کو نسبتاً زیادہ اونچا مقام ملا۔ انھوں نے سب سے پہلے دلائلِ نبوت کا مواد جمع کیا اور معجزات اور دلائل پر قیمتی معلومات پیش کیں۔ شمائلِ نبوی پر بھی سب سے پہلے اتنا بڑا مجموعہ فراہم کیا۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے فرامین، احکام اور وثائق کا ایک بڑا مجموعہ اپنی کتاب میں جمع کیا، جو دراصل ان کے استاد واقدی کا ہے۔

- ابن سعد عظیم محدثین کے پروردہ و پرداختہ تھے اور ان کے بیش تر اساطین نے ان کو ثقہ اور حافظ قرار دیا ہے۔ بعض محدثین نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ خطیب بغدادی نے ان تمام اقوال کو جمع کر دیا ہے۔ امام بخاری، ان کے شارح بھی ہیں اور ان کے موید و مصدق بھی۔

- طبقاتِ ابن سعد کی پہلی دو جلدیں سیرت کے بارے میں ہیں۔ وہ ہر دور میں مستند ماخذ سمجھی گئی ہیں۔ ان سے استفادہ کرنے والوں میں بلاذری جیسے ثقہ اور قابلِ اعتماد مورخ بھی شامل ہیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانی اور ابن اثیر نے بھی ان پر اعتماد کیا ہے۔

۳- ابن ہشام -عبدالملک بن ہشام- ابن سعد کے بعد سیرت نگاروں میں سب سے نمایاں ہیں اور ایک واسطہ سے امام ابن اسحاق کے شاگرد بھی۔ سیرتِ ابن اسحاق پر ان کا کام بہت بڑا ہے اور ان کو اصل مصنف سے زیادہ شہرت ملی۔ ان کا نسخہ اتنا مقبول ہوا کہ سیرتِ ابن اسحاق پہلے متروک پھر مفقود ہوگئی۔ وہ اپنے زمانے کے ایک بہت بڑے محدث بھی تھے، فقیہ بھی، مورخ بھی تھے اور ادیب و شاعر بھی۔ انھوں نے اپنے زمانے کے عظیم ترین علماء و ماہرین سے علوم حاصل کیے تھے۔

- ابن ہشام نے کتاب/ سیرت ابن اسحاق کی تنقید و تہذیب اور ترتیبِ نو کی۔ کتاب المبتدا کے نام سے جو پہلی جلد تھی وہ قریب قریب پوری ہی نکال دی۔ دوسرے حصہ کتاب المبعث میں بھی کتر بیونت کر کے ان حصوں کو نکال دیا جو براہ راست سیرت سے متعلق نہ تھے۔ اپنے مقدمہ میں انھوں نے اپنی تہذیب کو واضح کیا ہے۔ اسی طرح اشعار و قصائد میں غیر معتبر کو نکال باہر کیا۔ ان وجوہ سے وہ بہت مقبول ہوگئے۔ [۱۵]

۴- ابن اسحاق پر ڈاکٹر موصوف نے اس سے پہلے والے خطبہ میں بحث کی ہے، جس کا حوالہ کتاب المبتدا والمبعث والمغازی پر بحث میں دیا ہے: ''وہ تین ضخیم جلدوں میں تھی۔ وہ سیرت کے فن میں حکیم ارسطا طالیس ہیں۔ یہ روایت ممکن ہے صحیح ہو کہ اپنی کتاب خلیفہ منصور کی فرمائش پر لکھی تھی، جیسے امام مالک نے موطا، منصور کے کہنے پر لکھی تھی۔ کتاب المبتدا میں حضرت آدمؑ سے رسول اکرم ﷺ کے جد امجد معد بن عدنان تک معلومات ہیں۔ یہ حصہ بالعموم غیر معتبر سمجھا جاتا ہے کہ یہودی و عیسائی ذرائع سے جمع کیا گیا تھا۔ دوسری کتاب المبعث میں بعثت سے وفات تک کے واقعات و احوال پر بحث ہے۔ اور کتاب المغازی جنگوں پر ہے۔ اس کتاب کے تقریباً پندرہ مختلف نسخوں (Versions) کا تذکرہ ملتا ہے۔ ان کے استاذ امام زہری بھی ان کے فنی تبحر کے قائل تھے۔ محدثین نے ان کے طریقۂ کار کی وجہ سے ان پر اعتماد نہیں کیا، لیکن دوسرے محدثین ان پر اعتماد کرتے ہیں۔ ابن سید الناس کا دفاع قابلِ دید ہے''۔

تنقیدی تجزیہ

علوم وفنون ہوں یا زندگی اور ثقافت کے دوسرے پہلو، وہ سب اعتدال، توازن اور انصاف کا تقاضا کرتے ہیں۔ سیرتِ نبوی اور تاریخِ اسلامی کی نگارش میں اسی طرح ان ضروری اقدارِ عالیہ مطلقہ کی حاجت ہے جیسے دینی علوم وفنون میں۔ ان کے استعمال واطلاق سے معروضیت پیدا ہوتی ہے، وہ معروضیت جو حق وصواب کو جیسے وہ ملیں پیش کرنے سے عبارت ہے۔ معروضیت کا مطلب مشرق ومغرب میں غلط نکالا گیا ہے۔ وہ حق وصواب اور عقیدہ وقدر سے مبرا ہونا ہے نہ جذبہ وخیال سے عاری ہونا۔ اس کا صاف اور سادہ مطلب یہ ہے کہ مآخذ و مصادر سے دست یاب روایات واحادیث کا تنقیدی اور منصفانہ تجزیہ کیا جائے۔

مآخذ ومصادر کی معلومات اور روایات واخبار کی چھان پھٹک جس طرح ضروری ہے اسی طرح رواۃ ومفکرین کی بھی بلاشبہ فنِ جرح وتعدیل اور ان کے اماموں کا علومِ اسلامی پر اور تہذیب انسانی پر احسان ہے اور ان دونوں کا خاص مقام ومرتبہ بھی ہے۔ لیکن یہ حقیقت بھی اپنی جگہ تسلیم شدہ ہے کہ وہ بسا اوقات ایک ہی شخصیت کے بارے میں مختلف ومتضاد آراء بیان کرتے ہیں۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ وہ اپنے علم کے مطابق ہی ایسا کرتے ہیں۔ اس علم وخیال میں متعدد وجوہ سے بسا اوقات کوتاہی ہوجاتی ہے۔ خارجی اسباب، معاصرت، چپقلش، فنی چشمک وغیرہ بھی کارسازی کرتے ہیں اور سب سے بڑا سبب غیر تنقیدی رویہ ہوتا ہے۔

سیرتِ نبوی اور تاریخ اسلامی تو اصل اسلامی علوم وفنون - تفسیر وحدیث وفقہ - سے فروتر سمجھے جاتے ہیں۔ مفسرین ومحدثین اور فقہاء کے اختلافات وتصادمات نے جہاں توسع پیدا کیا ہے وہاں مسلکی اور فنی عصبیتوں کو بھی جنم دیا ہے۔ خاص فنِ سیرتِ نبوی کا معاملہ ہی نہیں تمام اسلامی علوم وفنون کا ہے کہ مؤلفین وناقدین سلف کے بارے میں خلف کی سند لاتے ہیں۔ ان کے معاصرین، اصحاب اور تلامذہ کی آراء وافکار اور تجزیوں سے بالعموم صرفِ نظر کرتے ہیں یا ان کو متاخرین کے خیال کا تابع بنادیتے ہیں۔ سیرت کے واقعات واحوال کے بارے میں یہ رویہ پس بینی (back-projection) کے خطرناک رویہ میں ڈھل جاتا ہے جب وہ عہد

جاہلی، عہدِ نبوی اور عہدِ خلافتِ اسلامی کے واقعات واحوال کو مابعد واقعات وخیالات کے تناظر میں دیکھتے ہیں۔ بسا اوقات دو یا زیادہ متصادم آراء وخیالات میں ان کی ذاتی پسند وناپسند اور ذہن وخیال میں راسخ رجحانات بھی کارفرمائی کرتے ہیں۔

سیرتِ نبوی کے مصادر و مآخذ کے سلسلے میں جدید اردو تحقیقات و نگارشات کرنے والوں نے کبھی کبھی افراط وتفریط کا رویہ اپنایا ہے، جس طرح ان کے متعدد پیش رووں نے جرح وتعدیل میں اپنایا تھا یا سیرت کی روایات واخبار میں صحیح چھان پھٹک نہیں کی تھی۔ یہ بہت حیرت کی بات ہے کہ عہدِ جدید کے بیش تر مؤلفین نے قدیم اور بنیادی سیرت نگاروں کے مقام و مرتبہ کا تجزیہ صرف آراء سے کیا ہے۔ مولانا شبلی، مولانا داناپوری، مولانا کاندھلوی اور متعدد دوسروں نے محدثین اور اصحابِ فن رجال کے اقوال ہی پر کلی بھروسہ کیا۔ انھوں نے دو متضاد آراء واقوال میں ترجیح دی تو محدثین اور فنِ سیرت و مغازی کے ناقدوں کی تنقیدی آراء کو اختیار کیا۔ مولانا شبلیؒ نے امامِ سیرت ابن اسحاقؒ، ان کے رواۃ وتلامذہ اور امام واقدیؒ کے بارے میں خاص طور سے افراط وتفریط ہی کی ۔ مولانا کاندھلویؒ نے امام واقدیؒ کی بحالی کی کوشش کی تو اقوالِ اصحابِ رجال کے پیشِ نظر ان کو ضعیف ہی قرار دیا۔ مولانا داناپوری، ڈاکٹر محمد حمیداللہ، ڈاکٹر محمود احمد غازی اور دورِ جدید کے بعض تجزیہ نگاروں، خاص کر مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی نے ان کے ساتھ انصاف کیا۔[۱۶] یہ حقیقت ہے کہ امامانِ سیرت - ابن اسحاق و واقدی - اپنے معاصرین اور متعدد محدثین کی نظر میں امیر المومنین فی الحدیث تھے۔ وہ نہ صرف سیرت وتاریخ کے معتبر ومستند امامانِ زمانہ تھے، بلکہ حدیث وفقہ میں بھی ان کا ایک درجۂ عالی اور اعتبار تھا۔ امام بخاری نے امامِ ابن اسحاق کا درجۂ ثقاہت حدیث میں اس طرح بڑھایا کہ ان کی متعدد روایات واخبار کے شواہد فراہم کیے جو امام ابن اسحاق کو نہیں ملے تھے۔ امام واقدیؒ کی روایاتِ سیرت واخبار محدثین کے ایک طبقہ کے نزدیک ثقہ ہیں۔ محدثین وفقہاء میں امام شافعی، امام ابویوسف، حافظ ابن حجر عسقلانی اور بہت سوں نے نہ صرف ان کو ثقہ سمجھا، بلکہ ان ہی سے استناد بھی کیا۔ مولانا شبلیؒ نے بطور خاص اور بعض دوسروں نے عام طور سے امامانِ سیرت کی خدمت اور طریقۂ کار کو محدثانہ اصول سے پرکھنے کی کوشش کی، حالانکہ ان کو یہ بھی تسلیم

ہے کہ سیرت وتاریخ میں خاص کر عہد جاہلی اور بعثت سے قبل کی حیات وعہد کے بارے میں روایات واخبار کا وہ مرتبہ نہیں ہوسکتا۔ وہ یہ اصول بھی تسلیم کرتے ہیں اور شدومد سے اسے پیش بھی کرتے ہیں کہ سیرت وتاریخ کے واقعات واحوال میں سلسلۂ علت ومعلول قائم کرنا چاہیے، بالکل اسی طرح جیسے کہ واقعات واحوال کے بیان میں مسلسل بیانیہ پیش کرنا لازمی ہے، جو منفرد اخبار واحادیث کو گوندھ کر ایک سلسلہ بنانے سے ہی ہاتھ آسکتا ہے۔ یہ تاریخی اور سیرتی طریقۂ کار تھا جو محدثانہ طریق سے مختلف ہے اور اپنے فن میں لازمی بن جاتا ہے۔ [۱۷]

مولانا شبلیؒ اور بعض دوسرے علماءِ سیرت نے فنِ سیرت اور فنِ سیر کو خلط ملط کردیا، حالانکہ وہ دو الگ الگ علوم ہیں۔ بلاشبہ فنِ سیرت رسول اکرم ﷺ کی سوانح، احوال اور نبوی عہد کے واقعات وارتقاءات سے وابستہ ومربوط ہے۔ سیرۃ کی جمع سِیر ضرور ہے اور بعض متاخر سیرت نگاروں نے اس کو استعمال بھی کیا ہے، زیادہ تر قافیہ بندی کی وجہ سے۔ محدثین اور دوسرے علوم اسلامی کے ماہرین کی تعریفات واقوال سے سیرت وسیر کا مفہوم بیان کرنا دخل در معقولات ہے۔ دوسری صدی ہجری سے لفظ سیرۃ اصطلاح بن گیا تھا۔ مغازی وسیر اس کے ایک نزولی حصے تھے، کل سیرت نہ تھے جیسا کہ سمجھا گیا۔ بلاشبہ قدیم ترین علماءِ سیرت کو صاحبانِ مغازی کہا گیا اور ان کی کتب کو کتبِ مغازی، مگر وہ ابتدائی دورِ ارتقاء وتالیف تھا۔ یہ دعویٰ بھی واقعات وحقائق کے خلاف ہے کہ امامانِ سیرت -عروہ، زہری اور خاص کر ابن اسحاق وواقدی- کی کتابیں صرف مغازی پر مبنی ہیں اور دوسرے واقعات واحوال کم تر ہیں یا مفقود۔ کتبِ مغازی بھی سیرت خاص کر مکی حیاتِ طیبہ کے واقعات بیان کرتی ہیں۔ امامانِ سیرت ابن اسحاق وواقدی کی تالیفاتِ سیرت تو عالمی تاریخِ نبوت واقوام سے سیرتِ نبوی کو جوڑتی ہیں۔ اس واقعیت کا پتہ ان دونوں کی کتابوں کے عناوین 'کتاب المبتدا والمبعث والمغازی/کتاب التاریخ والمبعث والمغازی' سے چلتا ہے۔ مولانا شبلیؒ، ان کے خوشہ چیں مولانا داناپوریؒ اور مولانا کاندھلویؒ وغیرہ کو ان اجزاءِ کتاب کا پتہ نہیں، جب کہ وہ ان کے مصادر میں موجود ہے۔ ڈاکٹر محمد حمیداللہ، ڈاکٹر محمود احمد غازی اور بعض دوسرے جدید اردو مؤلفینِ سیرت اور محققینِ فن نے اس حقیقت کو جانا اور پہچانا ہے۔ اولین دو اجزائے کتاب میں غزوات وسرایا یا مغازی

سرے سے موجود نہیں اور آخری حصہ میں مغازی کے ساتھ اور بہت کچھ ہے۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ اور ڈاکٹر غازی وغیرہ نے اس حقیقت کو تنقیح و تجزیہ کے ساتھ پیش بھی کیا گیا ہے، حالانکہ وہ بھی ادھورا ہے۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ ابن اسحاق کی اصل کتاب مفقود ہے اور صرف ابن ہشام کی تہذیب موجود ہے، جو اصل پر تیشہ زنی کرتی ہے۔ امام واقدی کی کتابِ سیرت کا صرف آخری حصہ 'کتاب المغازی' دستیاب و مطبوعہ ہے، باقی دو اولین اجزاء سرے سے مفقود ہیں۔ البتہ ان دونوں کی بہت سی روایات و اخبار اور امام واقدی کے تبصرے اور تجزیے بلاذری، کلاعی اور ابن سید الناس وغیرہ کے ہاں ملتے ہیں۔ ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ واقدی کی کتابِ سیرت پہلے کامل مؤلفِ سیرت امام ابن اسحاق کے طرز پر مرتب و مہذب کی گئی تھی۔

سب سے زیادہ حیرت انگیز امر یہ ہے کہ مذکورہ بالا تمام اردو تجزیہ نگاروں نے مآخذ و مصادر کا متنی تجزیہ نہیں کیا، صرف اقوال و آراء سے فیصلہ کر دیا۔ بعض معاصر محققین جیسے ڈاکٹر غازی وغیرہ نے صرف چند واقعات و معلومات کو درخورِ اعتنا سمجھا۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے اپنے محاکمہ کو صرف ابن اسحاق مؤلفِ سیرت تک محدود رکھا اور ان کی متعدد روایاتِ کتاب کا متنی تجزیہ نہیں کیا۔ مولانا شبلیؒ اور بعض دوسرے علماءِ کرام کتبِ حدیث اور محدثین سے امامانِ سیرت کی روایات کے اختلافات کی بحث میں پڑ گئے۔ انھوں نے محدثین کی احادیث کو ان دونوں امامانِ سیرت وغیرہ کی روایات و اخبار پر ترجیح دی، حالانکہ وہ تصادم جزوی و مقامی ہے۔ ان کا یہ اصول اپنی جگہ بڑا بھلا لگتا ہے اور مسحور کن بھی کہ اختلاف کی صورت میں روایاتِ سیرت پر احادیث محدثین کو ترجیح بہر حال ہوگی، خواہ تمام سیرت نگاروں اور امامانِ فن کا اجماع و اتفاق ہی کیوں نہ ہو، حالانکہ معتبر و مستند محدثین نے بھی اس ترجیح کو نہیں مانا ہے۔ حافظ مغلطائی، حافظ ابن حجر عسقلانی، حافظ دمیاطی اور ان کے متعدد پیش رو محدثین و فقہاء نے اصحابِ سیر کے اجماع کو تسلیم کیا ہے۔ اول الذکر دو امامانِ حدیث نے خاص کر امام بخاری کے تسامح پر گرفت کی ہے اور مؤلفینِ سیرت کی روایات کو ترجیح دی ہے۔ حافظ دمیاطی کے بارے میں یہ بیان کہ موصوف نے بعد میں محدثین کی آراء و روایات کو اجماعِ اصحابِ سیرت کے خلاف ناطق بنایا تھا، مگر اپنی کتاب میں اس کو صرف اشاعت عام کی خاطر نافذ نہیں کر سکے، صحیح نہیں۔ ان کو کس

نے استدراک لکھنے سے روکا تھا؟ ۱۸؎

اماماِنِ سیرت ابن اسحاق و واقدی کی کتبِ سیرت کی متنی تحقیق و تجزیہ کا معاملہ خاصا دقت طلب ہے، مگر ضروری بھی۔ روایات و اخبار و احوال وکوائف کا فرق ہر جگہ لازمی ہے کہ ان کے رواۃ و مآخذ مختلف، گوناگوں اور بہت تھے۔ اس سے زیادہ ان کی روایات واخبار کی تنقیح و تجزیہ کی اہمیت ہے کہ دونوں اماماِنِ سیرت خاص کر اوران کے جانشین عام طور سے اپنی روایات کو پیش کرتے وقت ان کی ثقاہت وضعف اور درجہ بندی کا ذکر اپنے طریقے سے کرتے ہیں۔ اس میں امام ابن اسحاقؒ و امام واقدیؒ کے تنقیدی اشارے اور روایات و اخبار کے مرتبہ پر تبصرے سب سے زیادہ اہم ہیں۔ امام ابن اسحاقؒ بالعموم روایات و احادیث کے ضعیف یا منکر ہونے کا ذکر واضح الفاظ میں ذرا کم کرتے ہیں، لیکن اپنے تنقیدی اشاروں –''**فیما زعموا / فیما یزعمون ، زعموا، یقال**'' وغیرہ– کے استعمال واطلاق سے ان کی کم مائگی بتادیتے ہیں۔ ان کے جامع امام ابن ہشامؒ نہ صرف روایات و اخبار پر نقد کرتے ہیں، بلکہ اپنے اصل مؤلف سے صاف اختلاف بھی کرتے ہیں۔ ایسے مقاماتِ ضعف و نکارت کتابِ ابن اسحاق/ ابن ہشام کے تینوں اجزاء و مباحث میں جابجا ملتے ہیں۔ مثلاً خانۂ کعبہ کی تولیت اور مکہ مکرمہ کی سیادت سے خزاعہ کا اخراج اور قصی بن کلاب کی حلیل خزاعی سے رشتہ داری کا معاملہ ان کی نظر میں مشکوک ہے، کیونکہ وہ صرف خزاعہ سے مروی ہے، جس کی کسی دوسرے ماخذ سے تائیدنہیں ہوتی: ''**لم نسمع ذلک من غیرھم ...**'' اسی طرح قصی کے پانچ مناصبِ مکہ/ ملأ قریش کا بیان مشتبہ ہے اور اماماِنِ سیرت چھٹے منصب قیادہ کا ذکرنہیں کرتے، جو بنوعبدشمس/ بنوامیہ کا موروثی منصب تھا۔ مورخ ازرقی نے اس کی تصحیح کے علاوہ المطیبون والاحلاف میں قریش کی تقسیم کو غیر حقیقی بتایا ہے۔ وہ بنو ہاشم کی بے جا طرف داری اور بنوامیہ سے رقابت کا قصہ ہے، جو مابعد کے واقعات کے تناظر میں آیا ہے۔ ایسی دوسری روایات و اخبار بہت سی ہیں، جیسے ہاشم بن عبدمناف اور ان کے بھائیوں کا 'رحلۃ الشتاء والصیف' کا بانی ہونا، مواسمِ حج میں ہاشم کا رفادہ کا مال جمع کرنا، چاہ زمزم کے بارے میں عبدالمطلب بن ہاشم کا رویائے صادقہ دیکھنا اور عبداللہ کی قربانی کی نذر ماننا اور ان کا ذبیح ہونا، اولین شب زفاف میں حمل نبوی کا قرار پانا اور

بوقت ولادت معجزات کا ظاہر ہونا، اس سے متعلق مبشراتِ یہود و نصاریٰ اور کاہنانِ عرب کا مشہور ہونا وغیرہ۔ اسی طرح دوسری مزعومہ اور غیر ثقہ روایات ہیں، جیسے کفالتِ نبوی کے لیے عبدالمطلب کا ابو طالب کو وصیت کرنا، اولین سفرِ بصریٰ اور قصۂ بحیرا اور بعض دوسری روایات کو واقعات سمجھ لینا۔ کتاب المبعث اور کتاب المغازی کے دونوں اجزاء و مباحث میں ان تنقیدی فقروں کا ذکر کم ملتا ہے کہ روایات و احادیث کا معیار بلند ہو گیا تھا۔[19]

امام واقدیؒ کو محض جزئیات نگاری اور تفصیلات کے لیے مطعون کیا گیا ہے کہ اتنی تفصیلات کو چشم دید راوی بھی نہیں بیان کرسکتا۔ حالانکہ مولانا شبلیؒ اور دوسرے سیرت نگار اچھی طرح جانتے ہیں کہ واقعات کے شریک اور چشم دید صحابہ بھی صرف اپنے سامنے کے احوال و واقعات بیان کرسکتے تھے اور دوسرے میدانِ عمل یا میدانِ جہاد میں رونما ہونے والے واقعات کو جاننے سے قاصر تھے۔ یہ دراصل محقق و متلاشی حق اور جامعِ روایات و واقعات کا کام ہے کہ وہ منظر نامہ سے دور بیٹھ کر ان سب کا مطالعہ کرتا ہے۔ امام واقدیؒ کے بارے میں تمام سوانح نگاروں کا بیان ہے کہ وہ روایات و واقعاتِ سیرت کی تلاش میں دیوانے تھے اور مواقع پر جاکر واقعات بالخصوص غزوات وسرایا کے مواقع و میادین کو دیکھتے تھے۔ وہ ذاتِ رسالت مآب ﷺ سے متعلق ہر چیز کا پتہ لگاتے تھے۔ اسی بنا پر ان کے ہاں بہت سی نئی تفصیلات واخبار ہیں اور وہ ان میں منفرد نہیں ہیں۔ محدثین میں امام احمد بن حنبل اپنی مسند میں ان کی بنیادی توثیق کرتے ہیں اور دوسرے سیرت نگاروں، محدثین، مورخین اور صاحبانِ تالیف نے ان کو ہر دور میں قبول کیا ہے۔ امام واقدیؒ کو بسا اوقات بعد کے مؤلفین سیرت: بلاذری، طبری، ابن کثیر وغیرہ نے بطور حکم اور ناقد پیش کیا ہے اور ان کے فیصلہ کو ناطق جانا ہے۔ امام موصوف بالعموم فیصلہ دیتے ہیں کہ فلاں روایت غلط ہے، ثبت نہیں، ہمارے اور ہمارے اصحاب کے نزدیک ثبت، المجتمع علیہ روایت فلاں ہے، جیسے جناب عبداللہ بن عبدالمطلب کی تجارتِ شام سے واپسی پر وفات کا واقعہ، شادی کے لیے حضرت خدیجہ کی طرف سے سلسلہ جنبانی، حضرت علی کا قبول اسلام وغیرہ۔

نئی نئی معلومات اور جزوی تفصیلات کا معاملہ بہت دلچسپ ہے۔ امام ابن اسحاق کی کتابِ سیرت کی متعدد روایات، خاص کر یونس بن بکیر، سلمہ بن فضل ابرش، محمد بن سلمہ حرانی

اور علی بن مجاہد کی روایات ابن اسحاق میں، موجود و محفوظ ہیں۔ حضرات ورقہ بن نوفل اسدی، زید بن عمرو بن نفیل عدوی وغیرہ کے بارے میں نئی معلومات ملتی ہیں، جو زیاد بکائی کی روایت میں موجود نہیں ہیں۔ امام ابن ہشامؒ نے اپنی بعض زائد روایات و واقعات کا ماخذ نہیں بتایا ہے، مثلاً ازواجِ مطہرات کا باب، کہ وہ یونس بن بکیر سے ماخوذ و منقول ہے۔ یونس بن بکیر کی ایک روایت رسولِ اکرم ﷺ کے قبل بعثت ایک سفرِ طائف کا اہم واقعہ بیان کرتی ہے۔ امام سہیلیؒ نے الروض الانف میں اسی روایتِ ابن اسحاق سے متعدد نئی معلومات دی ہیں اور امام طبری نے روایتِ سلمہ بن فضل ابرش سے اضافے کیے ہیں۔ شاہ ولی اللہؒ نے ان کو 'زیادات علی السیرۃ' سے تعبیر کیا ہے، جو سیرتِ ابن ہشام پر زیادات ہی کے مترادف و ہم معنی ہے۔ امام طبریؒ نے اور امام سہیلی نے بھی ان میں سے مزعومہ روایات اور غیر معتبر واقعات کے بارے میں امامِ سیرت کے تنقیدی اشارے محفوظ رکھے، جن سے صحیح اور غلط کی تمیز کی جاسکتی ہے۔ حضرت حلیمہ سعدیہ کی رضاعتِ نبوی کا واقعہ امام طبری نے چار تلامذہ/ رواۃِ ابن اسحاق - سلمہ، یونس بن بکیر، المحاربی، سعید بن یحییٰ اموی - کی روایات کی بنا پر پیش کیا ہے، جس میں بعض نئی اور دلچسپ تفصیلات ہیں۔

امام سہیلیؒ، امام قسطلانیؒ، امام حلبیؒ اور امام زرقانیؒ وغیرہ متعدد جامع اصحابِ سیر کو اردو سیرت نگاروں نے اپنے مقدماتِ کتاب اور دوسرے مقالات و مباحث میں مختلف و متنوع مآخذ و مصادرِ سیرت و حدیث سے بیش قیمت معلومات، نئی نئی تفصیلات اور اہم ترین جزئیات پیش کرنے کا شرف دیا ہے اور اس کو ان سب کا طرۂ امتیاز قرار دیا ہے (بلاشبہ یہ صحیح بھی ہے) تو امام واقدیؒ کو بالخصوص اور امام ابن سعدؒ، امام طبریؒ اور دوسروں کو بالعموم ان کے لیے کیوں مطعون کیا ہے؟ واقعہ یہ ہے کہ ابن اسحاق اور ان کے معاصرین میں خاص کر رواۃِ کتابِ سیرت کے بعد زیادہ سے زیادہ معلومات مختلف مآخذ سے جمع کرنے کا رجحان پروان چڑھا اور سیرت نگاروں نے حدیث و تفسیر، تذکرہ و تراجم، انساب و اعلام وغیرہ کی کتابوں سے اضافے کیے۔ مصعب زبیری اور ان کے بھتیجے زبیر بن بکار بن عبداللہ زبیری کی کتبِ نسب قریش بہت نادر معلومات رکھتی ہیں اور شعر و شاعری کے مجموعے بھی کچھ کم نہیں۔ متاخر سیرت نگاروں میں

ابن حزم اندلسی اور ابن عبدالبرؔ قرطبی نے بعض نئی قیمتی معلومات فراہم کی ہیں۔ ابن کثیر کی سیرت بھی ایک قاموسِ معلومات ہے۔ جدید اردو سیرت نگاروں نے بالعموم ان سب سے استفادہ نہیں کیا اور نہ ان کی فنی مرتبت کو صحیح طور سے پہچانا۔ متاخر اور معاصر سیرت نگاروں کے ذہن وعقل اور قلب وقلم پر ابن اسحاق/ ابن ہشام کا جادو ایسا چڑھا کہ وہ اسی کو تنہا اور واحد ماخذِ سیرت سمجھنے لگے اور اسی سے معلومات لے کر کتابیں لکھنے لگے، صرف کہیں کہیں بعض دوسرے مآخذ سے پیوند لگا دیتے ہیں۔ اردو سیرت نگاروں کا اصل ماخذ شبلی نعمانی ہیں اور تمام اختلاف و تنقید کے باوجود وہ ان ہی سے خوشہ چینی کرتے ہیں۔

مآخذ سیرتِ نبوی پر جدید اردو سیرت نگاروں کی تحقیقات و نگارشات بلا شبہ قابلِ قدر ہیں، خاص کر شبلی کی تحقیقات۔ وہ ابھی تک بلاشبہ عہد ساز ناقدِ مآخذ اور مبصرِ مصادر ہیں۔ ان کی تمام فروگزاشتیں اور تسامحات اور معلومات کی کمی کو تسلیم کرنے کے باوجود ابن اسحاق پر ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے اور عام مصادرِ سیرت پر ڈاکٹر محمود احمد غازی نے ایک قدم بڑھایا ہے، جو زمینِ شبلی ہی سے اٹھا ہے۔ ان عظیم اساطینِ سیرت پر ایک قابلِ قدر اضافہ دور جدید کے بعض محترم و ثقہ اور متعدد نوجوان وگم نام اہل قلم نے کیا ہے۔ ان کے متنِ تحقیقِ مآخذ کے کارنامے اصل مآخذ اور ان کے مؤلفین کے کارناموں کو سمجھنے میں بہت معاونت کرتے ہیں۔ ان سے اصل مرتبت کا پتہ چلتا ہے۔

حواشی ومراجع

۱ شبلی نعمانی، سیرت النبی، مطبع معارف دارالمصنفین اعظم گڑھ، ۱۹۸۳ء، ۱/۲۰-۲۱ ومابعد؛ عبدالرؤف دانا پوری، اصح السیر، کتب خانہ نعیمیہ دیوبند، غیر مورخہ، ۲۹؛ محمد ادریس کاندھلوی، سیرۃ المصطفیٰ، دارالکتاب دیوبند، غیر مورخہ، ۱/ ۸ ومابعد نیز ۱۰۲ ومابعد؛ محمد حمید اللہ، محاکمہ ابن اسحاق، نقوش رسول نمبر لاہور، جنوری ۱۹۸۵ء، ۳۶۸-۳۷۲؛ محمود احمد غازی، محاضراتِ سیرت، الفیصل: لاہور، ۲۰۰۷ء، ۲۰۱-۲۰۲ ومابعد۔

۲ شبلی، ۱/۲۷-۳۵۔ یہ قدماء کی تصنیفات تھیں۔ حاشیہ نگار کے مطابق ان میں سے اکثر کی تصنیفات ناپید ہیں۔ بعد کی تصانیف میں ان کی روایات کے حوالے ملتے ہیں۔ یہ فہرست

تہذیب التہذیب وغیرہ سے مرتب کی گئی ہے۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے محاکمہ ابن اسحاق اور اس پر بحث سے مزید تفصیل ملے گی۔

۳۔ حافظ موصوف کی ایک مختصر سیرت چھپ گئی ہے۔ دوسری ضخیم کتاب الزھر الباسم فی سیرۃ ابی القاسم ابھی تک مخطوطہ ہے۔

۴۔ اصل عنوان کتاب ہے: 'کتاب الدرر فی اختصار المغازی والسیر'۔ تذکرہ صحابہ میں الاستیعاب بھی ایک ماخذ ہے۔

۵۔ یہ کتاب بنیادی طور سے ابن اسحاق اور واقدی کی کتبِ سیرت پر مبنی ہے، جیسا کہ ڈاکٹر غازی نے بھی کہا ہے۔

۶۔ اصح السیر، ۲۹-۳۰ ومابعد؛ سیرۃ المصطفیٰ، ۸/۱ وما بعد اور ۱۰۲ ومابعد؛ محاکمہ ابن اسحاق، ۳۶۸-۳۷۲

۷۔ محمود احمد غازی، محاضراتِ سیرت، ۱۹۵-۲۳۷ ومابعد۔

۸۔ فتح الباری میں حافظ ابن حجرؒ نے مؤلفین سیرت ابن اسحاق/ابن ہشام، واقدی، ابن سعد وغیرہ کی تمام روایات سے جو اعتنا کیا ہے وہ محدثانہ سے زیادہ مورخانہ ہے۔

۹۔ قدیم ترین تو نہیں ہے، البتہ مشہور اور مستند ترین ضرور ہے۔ امام ترمذیؒ نے بعض قدماء کی کتابوں کی بنیاد پر اس کو مرتب کیا ہے۔

۱۰۔ سید سلیمان ندوی نے واقدی کی ثقاہت وعدمِ ثقاہت پر دو اقساط میں مضمون لکھا ہے اور وہ شبلی کی تائید میں ہے۔ ملاحظہ کیجیے مقالات سلیمان، اعظم گڑھ، ۱۹۶۸ء

۱۱۔ سیرۃ النبی، ۱/ ۴۸-۸۵: اسباب خارجی کا اثر، مختلف روایات کی جمع وتطبیق، سلسلۂ علت ومعلول کی تلاش ضروری ہے۔

۱۲۔ اصح السیر، ۲۹-۳۲۔ اس بحث وتجزیہ میں مولانا شبلیؒ سے خوشہ چینی واضح طور سے نظر آتی ہے۔ ان کے متعدد تبصرے صحیح نہیں ہیں، جن پر بحث آگے آتی ہے۔

۱۳۔ سیرۃ المصطفیٰ، ۱/۱۰۲-۱۰۵: مولانا شبلی پر مولانا کاندھلوی نے سخت نقد بھی کیا ہے کہ وہ ابن سعد کے حوالے سے دروغ گو واقدی کی روایات لیتے ہیں۔ آگے روایات واقدی در سیرۃ النبی شبلی کے حوالے بقید صفحات ہیں۔ واقدی کو صرف ضعیف قرار دیا ہے۔

۱۴۔ نقوش رسول نمبر: ۱۱/ ۳۷۳-۳۹۱: ڈاکٹر موصوف نے امام سیرت پر محاکمہ کیا ہے، ان کی کتاب

اوراس کی روایات پر نہیں کیا۔

۱۵؎ محاضراتِ سیرت، ۲۵۹- ۲۸۵، نیز ابن اسحاق کے لیے :۳۰-۷۳-۱۷۹، بعد میں ڈاکٹر غازی نے متاخر کتبِ سیرت پر بحث کی ہے، جیسے ابن حزم کی کتاب جوامع السیرۃ اور جمہرۃ انساب العرب، سہیلی کی الروض الانف، کلاعی کی کتاب الاکتفاء، ابن قیم کی اعلام الموقعین اورزاد المعاد وغیرہ۔

۱۶؎ حبیب الرحمٰن اعظمی، واقدی کے بارے میں اعتدال کی رائے، الفرقان لکھنؤ، اگست ۲۰۰۵ء، نیز واقدی پر مقالہ خاکسار، الفرقان لکھنؤ، اکتوبر ۲۰۰۵ء

۱۷؎ بحث کے لیے ملاحظہ ہو: مقالات خاکسار 'امام ابن اسحاق- حضرت شاہؒ کا اہم ترین ماخذِ سیرت'، تحقیقاتِ اسلامی علی گڑھ، اپریل- جون ۲۰۱۲ء، بحوالہ شاہ ولی اللہ، شرح تراجم ابواب، صحیح بخاری، ۱۲۹-۱۳۰؛ تاریخ طبری میں سیرت نبوی کے مآخذ، معارف، دسمبر ۲۰۱۰ء و جنوری ۲۰۱۱ء وغیرہ؛ مباحثِ غازی و محمد حمید اللہ وغیرہ

۱۸؎ مولانا شبلی نے اپنے حاشیہ میں حافظ دمیاطی کا یہ بیان نقل کیا ہے، مگر مغلطائی اور ابن حجر عسقلانی کی بخاری تسامحات سے صرفِ نظر کریا۔ پھر محدثین کرام کو صرف چند غزوات وسرایا کی تاریخ کے اختلاف سے سروکار ہے یا اسی طرح کے بعض جزوی معاملات سے۔ اجماع اہل سیر بہرحال فیصلہ کن ہے، جیسا کہ بعض امامان حدیث نے محدثین کی ایسی روایات میں ان کے بعض رواۃ کے وہم کی نشان دہی کی ہے۔

۱۹؎ ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ۱/ ۱۳۱ و ماقبل، ۱۴۱-۱۴۴ و مابعد، ۱۵۴-۱۵۸، ۱۶۴ و مابعد، ۱۸۰-۱۹۳ وغیرہ۔ مفصل بحث کے لیے ملاحظہ مقالۂ خاکسار ''سیرت ابن اسحاق / ابن ہشام کا تنقیدی مطالعہ'' روداد سمینار سیرت، منعقدہ دارالمصنفین، اعظم گڑھ، مارچ ۲۰۱۰ء، نیز کفالت نبوی پر وصیت عبدالمطلب اور عبداللہ کی ذبیح ہونے کی روایت پر مقالات بھی ہیں۔ شبلی، داناپوری، کاندھلوی اور متعدد دوسرے سیرت نگاروں نے، بالخصوص اردو سیرت نگاروں نے ان تمام مزعومہ وضعیف ومنکر روایات کو صحیح سمجھ کر بیان کیا ہے اور امامانِ سیرت کے تنقیدی اشاروں کو سمجھا تک نہیں۔ امام واقدیؒ کی متنی تنقید کے لیے ملاحظہ ہو، مقالہ ظفر احمد صدیقی، علامہ واقدی-فن سیر کے امام، معارف اعظم گڑھ، نومبر ۲۰۱۰ء؛ محمد سعود عالم قاسمی، طبقات ابن سعد- ایک تجزیاتی مطالعہ''، معارف، اعظم گڑھ، اکتوبر ۲۰۱۰ء۔

☆☆☆